INTERNATIONAL JOURNAL OF SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909

Volume 4, Issue 3, 2026

اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی تعمیر و مرمت کے مسائل: اسلامی ریاست کے تصور کی روشنی میں ایک مطالعہ

Muhammad Usman[*1], **Muhammad Bilal**[2], **Dr Wajid Ali Assistant Professor**[3]

*[*1,2]M.Phil. Scholar Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan*
[3]Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan

[*1]mu176430@gmail.com, [2]bilaljutt8327@gmail.com, [3]wajidasadi@gmail.com

Corresponding Author: *
Muhammad Usman

DOI:https://doi.org/10.5281/zenodo.21550906

Received	Accepted	Published
01 January 2026	17 March 2026	30 March 2026

ABSTRACT

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا

"And were it not that Allah checks the people, some by means of others, there would have been demolished monasteries, churches, synagogues, and mosques in which the name of Allah is much mentioned".

Divine wisdom inherently protects the sanctity of diverse worship spaces. The Prophetic mission actualized this universal tolerance in the earliest days of Islam. Through the Charter of Medina and the Treaty of Najran, the Messenger of Allah granted non-Muslims absolute autonomy over their sacred sites. Today, modern Muslim nations face a profound crisis in living up to this rich legacy. The construction, repair, and security of minority places of worship remain entangled in rigid bureaucratic hurdles, socio-political tensions, and extremist attitudes. Looking deeply into classical Islamic jurisprudence, historical covenants like the Pact of Umar, and contemporary constitutional laws, this academic inquiry seeks to understand the root of these administrative and social conflicts. Early jurists naturally debated the building of new temples in newly founded Muslim garrison cities due to the socio-political realities of their era. The higher objectives of Islamic law, particularly the preservation of religion and the preservation of life, dictate that protecting minority sanctuaries is a binding religious obligation. The modern conceptual shift from classical subjecthood to equal constitutional citizenship requires states to rethink their legal frameworks. Restricting minority communities from maintaining or expanding their churches, temples, or gurdwaras actively contradicts the Islamic spirit of justice. Eradicating majoritarian prejudices and reforming state policies to allow a smooth, transparent legal process for minority worship places is never a mere concession. It is a fundamental Islamic duty to ensure peaceful coexistence and absolute social equity.

Keywords: *Islamic State, Minority Rights, Places of Worship, Maqasid al-Shari'ah, Muwatanah, Religious Freedom.*

تعارف

اسلام کا نظامِ حیات انسانی تکریم اور عدل و انصاف کے ٹھوس ستونوں پر استوار ہے۔ منشائے الٰہی یہ ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو، بلا تفریقِ عقیدہ و نسل، احترام اور تحفظ فراہم کیا جائے۔ ایک اسلامی ریاست اپنے وجود اور آئینی خدوخال میں کسی بھی گروہ پر جبر کو تسلیم نہیں کرتی۔ غیر مسلم شہریوں کی جان، مال، آبرو اور ان کے مذہبی عقائد کا تحفظ ریاست کا وہ اساسی فریضہ ہے جس کی جڑیں قرآنِ مجید اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں پیوست ہیں۔

عقیدے کی پختگی اور عبادت گاہوں کے احترام کا فلسفہ مشرقی روایات میں ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ اس وسعتِ نظری کو مرزا اسد اللہ خان غالب نے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے:

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایمان ہے

INTERNATIONAL JOURNAL OF
SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909
Volume 4, Issue 3, 2026

مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو[1]

عصرِ حاضر میں غیر مسلم اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی تعمیر، مرمت اور ان کا تحفظ ایک حساس قانونی اور سماجی مباحثہ بن چکا ہے۔ جدید قومی ریاستوں کے قیام اور بین الاقوامی قوانین کے نفاذ نے ان مسائل کو نئے زاویوں سے سمجھنے کا تقاضا کیا ہے۔ مغربی مصنفین نے بھی اسلامی رواداری کی اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ معروف محقق تھامس آرنلڈ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"The treatment of their Christian subjects by the Muhammadan emperors was based on a policy of toleration".

"مسلمان حکمرانوں کا اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ برتاؤ رواداری کی پالیسی پر مبنی تھا۔"[2]

اس تحقیقی مقالے کا مقصد اسلامی شریعت، تاریخی معاہدات اور معاصر دستوری تقاضوں کی روشنی میں اقلیتی عبادت گاہوں کے مسائل کا ایک معروضی جائزہ پیش کرنا ہے۔

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کی آئینی و قانونی حیثیت

شریعتِ اسلامیہ میں غیر مسلم شہریوں کی حیثیت کا تعین انتہائی واضح اور منصفانہ اصولوں پر کیا گیا ہے۔ کلاسیکی اسلامی فقہ میں غیر مسلموں کے لیے "ذمی" اور "معاہد" جیسی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ یہ اصطلاحات کسی توہین یا تحقیر کا پہلو نہیں رکھتیں، بلکہ ایک مستحکم قانونی اور آئینی معاہدے کی غمازی کرتی ہیں۔ عقدِ ذمہ دراصل ایک ایسا میثاق ہے جس کے تحت اسلامی ریاست غیر مسلموں کے حقوق کی مکمل ضامن بن جاتی ہے۔ نامور حنفی فقیہ شمس الدین السرخسی اس معاہدے کی غایت کو انتہائی جامع الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ غیر مسلموں سے یہ عہد اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائیں[3]۔

ریاستِ مدینہ کا قیام انسانی تاریخ میں آئینی اور دستوری رواداری کا ایک بے نظیر واقعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ کے مختلف قبائل اور یہود کے درمیان ایک تحریری معاہدہ مرتب فرمایا، جسے تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس عمرانی معاہدے نے کثیر المذہبی معاشرے میں مساوی شہریت کے تصور کی داغ بیل ڈالی۔ اس میثاق کی ایک شق میں واضح طور پر تحریر کیا گیا:

وَإِنَّ يَهُودَ بَنِي عَوْفٍ أُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ، لِلْيَهُودِ دِينُهُمْ وَلِلْمُسْلِمِينَ دِينُهُمْ

"اور بے شک بنو عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ مل کر ایک امت (سیاسی وحدت) شمار ہوں گے، یہودیوں کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔"[4]

دورِ جدید کی سیاسی حرکیات میں کلاسیکی "عقدِ ذمہ" نے "مساوی شہریت" یا "مواطنہ" کی شکل اختیار کر لی ہے۔ عصرِ حاضر کے نامور محقق اور فقیہ یوسف القرضاوی واضح کرتے ہیں کہ جدید جمہوری ریاستوں میں غیر مسلم مغلوب رعایا نہیں بلکہ ریاست کے برابر کے حصے دار اور شہری ہیں۔ ان کے حقوق و فرائض مسلمانوں کے بالکل مساوی ہیں، جس کی بنیاد ملکی دستور اور قانون کی بالادستی پر قائم ہے[5]۔

قرآن و سنت اور عبادت گاہوں کا تحفظ

کسی بھی مذہب کے پیروکاروں کے لیے ان کی عبادت گاہیں روحانی اور جذباتی تسکین کا سب سے بڑا مرکز ہوتی ہیں۔ قدرتِ خداوندی کا منشا یہ ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے مختلف مذہبی گروہوں کے معابد کو تباہی سے محفوظ رکھا جائے۔ قرآنِ حکیم نے عبادت گاہوں کے احترام اور ان کے تحفظ کو ایک آفاقی اور تکوینی قانون کے طور پر پیش کیا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا

"اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو راہبوں کے صومعے، گرجے، یہودیوں کے معابد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔"[6]

مشہور مفسر محمد بن احمد القرطبی اس آیت کے فقہی احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ قطعی فریضہ ہے کہ وہ جس طرح مساجد کی حفاظت کرتی ہے، اسی طرح غیر مسلم شہریوں کی عبادت گاہوں کی بھی حفاظت کرے اور کسی بھی شرپسند کو انہیں نقصان پہنچانے کی اجازت نہ دے[7]۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے عملی اور دستاویزی شواہد کثرت سے ملتے ہیں۔ یمن کے علاقے نجران سے آنے والے عیسائیوں کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا رویہ رواداری کی ایک لازوال مثال ہے۔ جب ان عیسائیوں کی عبادت کا وقت آیا، تو انہوں نے مسجدِ نبوی کے اندر ہی مشرق کی جانب رخ کر کے عبادت شروع کر دی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہیں روکنا چاہا، مگر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں منع فرمایا اور حکم دیا:

دَعُوهُمْ

"انہیں چھوڑ دو (یعنی عبادت کرنے دو)۔"[8]

مذاکرات کے اختتام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو جو تحریری امان نامہ عطا فرمایا، وہ بین الاقوامی قانونِ حقوقِ انسانی کا ایک شاہکار ہے۔ اس معاہدے میں ان کے گرجوں اور معابد کو ریاستی تحفظ فراہم کیا گیا۔

وَلِنَجْرَانَ وَحَاشِيَتِهِمْ جِوَارُ اللَّهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللَّهِ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَبِيَعِهِمْ وَصَلَوَاتِهِمْ

"اور نجران اور ان کے حلیفوں کے لیے اللہ کی پناہ اور اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا ذمہ ہے، ان کی جانوں، ان کے مذہب، ان کی زمین، ان کے مال، ان کے حاضر و غائب اور ان کے گرجا گھروں (بِیَع) اور معبدوں (صَلَوَات) کے تحفظ کے لیے۔"[9]

اس وثیقے میں صراحت کے ساتھ عبادت گاہوں کو ریاست کے ذمے میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ عمل اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کسی بھی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی مقدس عمارتوں کو نقصان پہنچانا یا ان کی مذہبی قیادت کے انتظامی امور میں مداخلت کرنا اسلامی اصولوں کے قطعی خلاف ہے۔

عہدِ خلفائے راشدین اور عبادت گاہیں

اسلامی تاریخ کا وہ سنہری دور جس میں ریاست کے دستوری اور انتظامی خدوخال نے مکمل عملی شکل اختیار کی، خلفائے راشدین کا عہدِ مسعود ہے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جانب سے قائم کردہ رواداری، عدل اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے اصولوں کو وسعت دی اور انہیں نئی ابھرتی ہوئی ریاستوں کے انتظامی ڈھانچے کا بنیادی حصہ بنایا۔ جب اسلامی قلمرو کی سرحدیں جزیرہ نما عرب سے نکل کر شام، عراق، مصر اور فارس تک پھیلیں، تو مسلم قیادت کا واسطہ ایسی کثیر المذہبی آبادیوں سے پڑا جن کی صدیوں پرانی عبادت گاہیں، خانقاہیں اور آتش کدے وہاں موجود تھے۔ مسلم سپہ سالاروں اور خلفاء نے ان عمارات کو جنگی مالِ غنیمت سمجھنے کے بجائے ان کے تاریخی اور مذہبی تقدس کو تسلیم کیا۔ طاقت کے استعمال سے قبل حکمت اور دانش مندی کو ترجیح دینے کی اس روش کو مشہور عرب شاعر ابو الطیب احمد بن الحسین المتنبی نے بڑے بلیغ انداز میں پیش کیا ہے:

الرَّأْيُ قَبْلَ شَجَاعَةِ الشُّجْعَانِ
هُوَ أَوَّلٌ وَهِيَ المَحَلُّ الثَّانِي

"دانشمندی اور تدبیر بہادروں کی بہادری سے مقدم ہے، وہ اول درجہ رکھتی ہے اور بہادری کا مقام دوسرا ہے۔"[10]

اس دانشمندی کا پہلا اور سب سے روشن مظہر خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ تاریخی عسکری ضابطہ اخلاق ہے جو انہوں نے شام کی مہم پر روانہ ہونے والے لشکرِ اسلام کے قائد یزید بن ابی سفیان کو دیا۔ اس خطبے میں میدانِ جنگ کے انتہائی کشیدہ حالات میں بھی انسانی حقوق اور غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کا بے نظیر حکم موجود ہے:

إِنِّي مُوصِيكَ بِعَشْرٍ: لَا تَقْتُلَنَّ امْرَأَةً، وَلَا صَبِيًّا، وَلَا كَبِيرًا هَرِمًا... وَسَتَجِدُونَ قَوْمًا زَعَمُوا أَنَّهُمْ حَبَّسُوا أَنْفُسَهُمْ لِلَّهِ، فَذَرْهُمْ وَمَا زَعَمُوا أَنَّهُمْ حَبَّسُوا أَنْفُسَهُمْ لَهُ

"میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں: کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا... اور تم عنقریب ایسی قوم کے پاس سے گزرو گے جنہوں نے خانقاہوں میں اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر رکھا ہے، پس انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا اور اس چیز کو بھی جس کے لیے انہوں نے خود کو وقف کر رکھا ہے۔"[11]

یہ ہدایات اس بات کی ٹھوس قانونی دلیل ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں جنگ کی حالت میں بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے گرجا گھر، کلیسا اور صوامع عسکری کارروائیوں سے مکمل طور پر مستثنیٰ تھے۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت عدلِ اجتماعی اور دستوری حقوق کے عملی نفاذ کا نقطہ کمال ہے۔ 15 ہجری میں جب بیت المقدس (ایلیا) فتح ہوا، تو عیسائی بطریق صفرونیوس نے شہر کی چابیاں براہِ راست خلیفہ وقت کے سپرد کرنے کی شرط رکھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے سفر کر کے وہاں کے عیسائی باشندوں کو جو تاریخی امان نامہ عطا فرمایا، وہ تاریخِ قانون میں "العھدۃ العمریۃ" کے نام سے محفوظ ہے۔ اس دستاویز نے اقلیتوں کے معابد کی حفاظت کے باب میں ایک دائمی دستور کی حیثیت اختیار کر لی:

هَذَا مَا أَعْطَى عَبْدُ اللَّهِ عُمَرُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَهْلَ إِيلِيَاءَ مِنَ الْأَمَانِ: أَعْطَاهُمْ أَمَانًا لِأَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَلِكَنَائِسِهِمْ وَصُلْبَانِهِمْ... أَنَّهُ لَا تُسْكَنُ كَنَائِسُهُمْ وَلَا تُهْدَمُ، وَلَا يُنْتَقَصُ مِنْهَا وَلَا مِنْ حَيِّزِهَا

"یہ وہ امان نامہ ہے جو اللہ کے بندے عمر، امیر المؤمنین نے ایلیا (بیت المقدس) کے باشندوں کو عطا کیا: انہوں نے یہ امان ان کی جانوں، ان کے اموال، ان کے کلیساؤں (گرجوں) اور ان کی صلیبوں کے لیے دی ہے... (شرائط یہ ہیں) کہ نہ تو ان کے گرجوں میں مسلمان سکونت اختیار کریں گے، نہ انہیں مسمار کیا جائے گا، اور نہ ان میں یا ان کے احاطوں میں کوئی کمی کی جائے گی۔"[12]

اس دستاویز کا متن قانونِ تعمیرات و تصرف کی گہری باریکیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ مسلمانوں کو گرجوں کی عماراتی ساخت کو اپنی رہائش گاہوں، فوجی چھاؤنیوں یا دفتری امور کے لیے استعمال کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔ لفظ "حیز" کا استعمال واضح کرتا ہے کہ عمارت کے ساتھ ملحقہ اراضی اور صحن پر بھی کسی قسم کا قبضہ یا کٹوتی کرنا سنگین جرم تصور ہو گا۔

بیت المقدس کے اسی دورے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور عمل عدل اور رواداری کی اس بلند ترین سطح کی نشاندہی کرتا ہے جہاں مستقبل کے تمام خدشات کا سدباب کر دیا گیا تھا۔ عیسائیوں کے مقدس ترین گرجا گھر "کلیسۃ القیامہ" کی سیر کے دوران نمازِ عصر کا وقت ہو گیا، تو صفرونیوس نے گزارش کی کہ امیر المؤمنین اسی گرجا گھر کے اندر اپنی نماز ادا فرما لیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اندر نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور گرجا گھر کی سیڑھیوں سے باہر نکل کر کھلے میدان میں نماز ادا فرمائی۔ آپ نے اس انکار کی جو دستوری حکمت بیان فرمائی، وہ اسلامی نظامِ عدل کا ابدی سرمایہ ہے:

لَوْ صَلَّيْتُ دَاخِلَ الْكَنِيسَةِ لَأَخَذَهَا الْمُسْلِمُونَ مِنْ بَعْدِي وَلَقَالُوا: هُنَا صَلَّى عُمَرُ

"اگر میں اس گرجاگھر کے اندر نماز پڑھ لیتا، تو میرے بعد آنے والے مسلمان اس گرجاگھر پر قبضہ کر لیتے اور یہ دعویٰ کرتے کہ چونکہ یہاں عمر نے نماز پڑھی تھی، ہم یہاں مسجد بنائیں گے۔"[13]

اس بے مثال تاریخی عمل نے اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر قبضے کے تمام چور دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے۔ غیر مسلم مفکرین نے بھی خلفائے راشدین کی اس بے تعصب پالیسی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ معروف برطانوی مصنفہ اور محقق کیرن آرمسٹرانگ بیت المقدس میں مسلمانوں کے داخلے اور ان کے طرزِ عمل کے بارے میں لکھتی ہیں:

"The Muslims established a system that enabled Jews, Christians, and Muslims to live in Jerusalem together for the first time".

"مسلمانوں نے ایک ایسا نظام قائم کیا جس نے پہلی بار یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو یروشلم میں ایک ساتھ رہنے کے قابل بنایا۔"[14]

خلفائے راشدین کا یہ طرزِ عمل اس بات کی عملی گواہی ہے کہ اقلیتوں کی عبادت گاہوں کا تحفظ زبانی دعووں تک محدود نہیں تھا بلکہ خلیفہ وقت خود اپنے افعال کے ذریعے ان کے تحفظ کے مادی اسباب پیدا کرتا تھا۔

نئی عبادت گاہوں کی تعمیر اور قدیم عمارتوں کی مرمت پر فقہی آراء کا جائزہ

اسلامی قانون (فقہ) کا مزاج جامد نہیں بلکہ انسانی معاشرت کی تبدیلیوں، جغرافیائی حدود اور معاہدات کے تابع ایک متحرک نظام ہے۔ فقہائے اسلام نے اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے احکام مرتب کرتے وقت مقبوضہ زمینوں کی قانونی حیثیت، مسلم آبادیوں کے تناسب اور معاہدات کی نوعیت کو مدنظر رکھا ہے۔ زمین کے ٹکڑے پر امن و امان اور شادابی کو قائم رکھنا اسلامی ریاست کا وہ مقصدِ عظیم ہے جسے معروف شاعر احمد ندیم قاسمی نے اپنے خوبصورت دعائیہ اشعار میں یوں سمویا ہے:

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو[15]

فقہائے کرام نے زمین کی جغرافیائی اور سیاسی حیثیت کے اعتبار سے مفتوحہ علاقوں کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا "دار الصلح" یعنی وہ علاقے جو باہمی مصالحت سے فتح ہوئے، اور دوسرا "دار العنوۃ" یعنی وہ علاقے جو جنگ اور طاقت کے ذریعے حاصل کیے گئے۔ تمام کلاسیکی فقہی مکاتبِ فکر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دار الصلح میں موجود پرانے معابد اپنے حال پر برقرار رکھے جائیں گے، اور اگر صلح نامے میں نئے معابد کی تعمیر کی شرط رکھی گئی ہو، تو وہ بھی مسلمانوں پر واجب العمل ہوگی۔

فقہ حنفی میں اس معاملے کی تفصیلات انتہائی باریک بینی سے بیان کی گئی ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نئی عبادت گاہوں کی تعمیر (احداث) کے معاملے میں "امصار" (بڑے مسلم شہر) اور "سواد و قری" (دیہات اور مضافاتی علاقے) کے درمیان واضح فرق موجود ہے۔ ان ائمہ کے نزدیک ان بڑے شہروں میں جو خالص مسلمانوں نے آباد کیے ہوں اور جہاں اسلامی شعائر (جیسے نمازِ جمعہ، عیدین اور حدود) کا غلبہ ہو، وہاں نئی عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تاکہ شہر کا اسلامی تشخص برقرار رہے۔ دیہاتوں اور مضافاتی علاقوں کے حوالے سے امام سرخسی حنفی فقہ کا نرم اور وسیع نقطہ نظر پیش کرتے ہیں:

وَأَمَّا فِي الْقُرَى وَالسَّوَادِ فَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ لِأَنَّ شَعَائِرَ الْإِسْلَامِ لَيْسَتْ بِظَاهِرَةٍ فِيهَا

"اور رہے دیہات اور مضافاتی علاقے، تو وہاں غیر مسلموں کو عبادت گاہیں بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہاں اسلامی شعائر کا علانیہ غلبہ نہیں ہوتا۔"[16]

قدیم عبادت گاہوں کی مرمت، ٹوٹ پھوٹ کی درستی اور منہدم ہو جانے کی صورت میں انہیں دوبارہ تعمیر کرنے کے معاملے میں اسلامی قانون انتہائی کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر ایک معبد معاہدے کے تحت کسی غیر مسلم گروہ کے پاس موجود ہے اور وہ وقت گزرنے کے ساتھ خستہ حال ہو کر گر جاتا ہے، تو اس کی اسی جگہ پر دوبارہ تعمیر ان کا قانونی حق ہے۔ فقہائے احناف نے صراحت کی ہے کہ مرمت کی ممانعت کا مطلب نئی جگہ پر کوئی عبادت گاہ بنانا ہے، نہ کہ گرے ہوئے پرانے معبد کو اس کی اصل حالت میں واپس لانا۔ علامہ ابن عابدین شامی اس ضابطے کو یوں بیان کرتے ہیں:

يَجُوزُ إِعَادَةُ الْكَنِيسَةِ الْقَدِيمَةِ الْمُنْهَدِمَةِ فِي الْإِسْلَامِ، لِأَنَّ الْإِعَادَةَ لَيْسَتْ بِإِنْشَاءِ بِنَاءٍ جَدِيدٍ

"اسلامی ریاست میں منہدم ہو جانے والے پرانے گرجاگھر کی دوبارہ تعمیر جائز ہے، کیونکہ اس کا اعادہ کوئی نیا معبد بنانا نہیں ہے، بلکہ یہ اسی چیز کو برقرار رکھنا ہے جس کی اجازت پہلے سے حاصل تھی۔"[17]

مالکی اور شافعی فقہاء نے بھی صلح کے علاقوں میں اس حقِ تعمیر و مرمت کو تسلیم کیا ہے، البتہ وہ ان زمینوں کے بارے میں قدرے سخت موقف رکھتے ہیں جو جنگ کے ذریعے مسلمانوں کے قبضے میں آئی ہوں۔ تاہم، تمام ائمہ اس نقطے پر متحد ہیں کہ اگر حاکمِ وقت مصلحتِ عامہ، ملکی مفاد اور سماجی ہم آہنگی کے پیشِ نظر اقلیتوں کو تعمیر و مرمت کی اجازت دے، تو اس ریاستی فیصلے کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔

دورِ حاضر کے جیوپولیٹیکل اور آئینی حقائق کے پیشِ نظر معاصر فقہاء نے واضح کیا ہے کہ جدید قومی ریاستوں کا وجود بین الاقوامی معاہدات اور ملکی دساتیر پر مبنی ہے۔ ان دساتیر میں بسنے والے تمام افراد مساوی شہریت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے پوری ریاست عملاً "دار العہد" کا درجہ رکھتی ہے۔ اس عمرانی معاہدے کی رو سے ریاست کے تمام شہریوں کو اپنی آبادی اور ضرورت کے تناسب سے عبادت گاہیں تعمیر کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کا غیر مشروط اور دستوری حق حاصل ہے۔ شریعت کی لچک اور وسعت کا تقاضا یہی ہے کہ اقلیتوں کی مذہبی ضروریات کو پورا کیا جائے تاکہ ایک پرامن، مربوط اور باوقار معاشرہ تشکیل پا سکے۔

'عقدِ ذمہ' سے جدید 'مساوی شہریت'

اسلامی قانونِ سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کی تفہیم اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک ریاست اور شہری کے باہمی تعلق میں آنے والی دستوری تبدیلیوں کا گہرا مطالعہ نہ کیا جائے۔ قرونِ وسطیٰ کے ریاستی نظام میں غیر مسلم رعایا کے حقوق و فرائض کا تعین ایک مخصوص معاہدے کے تحت کیا جاتا تھا جسے فقہی اصطلاح میں "عقدِ ذمہ" کہا جاتا ہے۔ اس کلاسیکی نظام کے تحت غیر مسلموں کو "اھلِ ذمہ" قرار دیا گیا، جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ایک متعین ٹیکس (جزیہ) کی ادائیگی کے عوض اسلامی ریاست ان کی جان، مال اور عقیدے کے تحفظ کی مکمل ضمانت فراہم کرے۔ اس دور کی عالمی سیاست چونکہ سلطنتوں اور مستقل جنگی خطرات کے گرد گھومتی تھی، اس لیے دفاع اور شہریت کا یہ ماڈل اپنے وقت کے بہترین انسانی اور اخلاقی معیارات پر مبنی تھا۔

بیسویں صدی کے وسط میں دنیا کے سیاسی نقشے پر ایک بہت بڑا تمدنی انقلاب برپا ہوا۔ نوآبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد قومی ریاستوں کا تصور ابھر کر سامنے آیا۔ اس نئے سیاسی ڈھانچے میں ریاست اور فرد کا تعلق روایتی معاہدوں کے بجائے ایک تحریری دستور کی بنیاد پر استوار ہوا۔ جدید مسلم ریاستوں نے جب اپنے آئین مرتب کیے، تو انہوں نے ریاست کے تمام باشندوں کو رنگ، نسل اور عقیدے کی تفریق کے بغیر یکساں حقوق عطا کیے۔ اس دستوری وحدت اور انسانی مساوات کے فلسفے کو علامہ محمد اقبال نے اپنے کلام میں بڑی وسعت اور دردمندی کے ساتھ پیش کیا ہے:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا[18]

معاصر فقہائے کرام نے اس سیاسی ارتقاء کا نہایت بصیرت کے ساتھ جائزہ لیا اور واضح کیا کہ اب غیر مسلم اقلیتوں کے لیے "ذمی" کی کلاسیکی اصطلاح کا اطلاق ممکن نہیں رہا۔ جدید دور میں وہ "مواطن" (برابر کے شہری) ہیں۔ عصرِ حاضر کے نامور محقق اور فقیہ یوسف القرضاوی اس منتقلی/تشخص پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جدید مسلم ممالک کے دساتیر کی نوعیت ایک ایسے عمرانی معاہدے کی ہے جس میں تمام شہری مساوی ہیں۔ اب غیر مسلموں سے جزیہ کا روایتی مطالبہ ختم ہو چکا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ریاست کے دفاع اور جدید ٹیکسیشن نظام میں برابر کے شریک ہیں[19]۔

اس فکری ارتقاء کا عملی اور اجتماعی مظہر جنوری 2016ء میں مراکش میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس میں سامنے آیا۔ دنیا بھر کے ممتاز علماء اور مفکرین نے اس اجتماع میں ایک تاریخی دستاویز منظور کی جسے "اعلانِ مراکش" کہا جاتا ہے۔ اس اعلامیے میں میثاقِ مدینہ کو جدید دستوری شہریت کے لیے اساسی نظریاتی فریم ورک کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ یہ واضح کیا گیا کہ اسلام نے غیر مسلموں کو عبادت کی جو آزادی عطا کی ہے، وہ اب جدید دساتیر میں شہریت کے مساوی حقوق کے طور پر نافذ العمل ہونی چاہیے، اور اقلیتوں کی عبادت گاہوں کا تحفظ اسی دستوری معاہدے کا ناگزیر حصہ ہے[20]۔

موجودہ مسلم ریاستوں میں اقلیتی معابد کو درپیش انتظامی اور قانونی مسائل

نظریاتی اور دستوری سطح پر مساوی شہریت کے اعتراف کے باوجود، جدید مسلم ریاستوں میں اقلیتوں کو اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر اور مرمت کے حوالے سے کئی پیچیدہ چیلنجز کا سامنا ہے۔ آئین کی کتب میں درج حقوق اور عملی زندگی کے انتظامی ضوابط کے درمیان ایک گہری خلیج موجود ہے، جو ریاست کی انتظامی مشینری کے تضادات اور مقامی سطح پر پائے جانے والے تعصبات کو بے نقاب کرتی ہے۔ بیوروکریسی کے اس سرد مہر اور ظالمانہ رویے کی عکاسی فیض احمد فیض کے ان اشعار سے بخوبی ہوتی ہے:

بنے ہیں اہلِ ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں[21]

پاکستان کے آئینی ڈھانچے کا مطالعہ کیا جائے تو دستورِ پاکستان 1973ء کا آرٹیکل 20 ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے اور ہر مذہبی گروہ کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے[22]۔ اس واضح آئینی ضمانت کے باوجود عملی صورت حال بالکل مختلف ہے۔ شہری علاقوں میں کسی بھی نئے مندر، گرجاگھر یا گوردوارے کی تعمیر کے لیے مقامی بلدیاتی اداروں اور ضلعی انتظامیہ سے "نو آبجیکشن سرٹیفکیٹ" کا حصول ایک ایسا کٹھن مرحلہ ہے جس میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ مقامی انتظامیہ اکثر پولیس اور سیکیورٹی اداروں کی رپورٹس کا سہارا لیتی ہے، جن میں یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اقلیتی عبادت گاہ کی تعمیر سے اکثریتی آبادی کے مذہبی جذبات مجروح ہوں گے اور امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ سیکیورٹی کی آڑ میں پیدا کی جانے والی یہ بیوروکریٹک رکاوٹیں غیر مسلم شہریوں کو ان کے آئینی حقِ عبادت سے محروم کر دیتی ہیں۔

عرب دنیا، بالخصوص مصر میں، قبطی عیسائیوں کے گرجاگھروں کی تعمیر کا مسئلہ صدیوں تک ایک نوآبادیاتی اور شاہی قانون کا اسیر رہا۔ وہاں عثمانی دور کے فرمان "الخط الهمايوني" (1856ء) کے تحت کسی بھی نئے چرچ کی تعمیر کے لیے براہِ راست سربراہِ مملکت کی منظوری لازمی تھی۔ اس قانون نے عملاً مصر میں کسی نئے چرچ کی تعمیر کو تقریباً ناممکن بنا دیا تھا۔ معروف محقق جارج فہمی مصر میں قبطی چرچ کے اس انتظامی بحران پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The Coptic Church has long suffered from discriminatory laws that required presidential approval for even minor repairs to a church building, forcing many to worship in unlicensed facilities".

"قبطی چرچ ایک طویل عرصے سے ایسے امتیازی قوانین کا شکار رہا ہے جن کے تحت چرچ کی عمارت کی معمولی مرمت کے لیے بھی صدارتی منظوری درکار ہوتی تھی، جس نے بہت سے لوگوں کو غیر منظور شدہ عمارات میں عبادت کرنے پر مجبور کر دیا۔"[23]

اس دیرینہ مسئلے کے حل کے لیے 2016ء میں مصری پارلیمنٹ نے ایک نیا قانون (قانون بناء وترميم الكنائس رقم 80) منظور کیا، جس کے تحت منظوری کا اختیار صدر سے لے کر صوبائی گورنرز کو تفویض کیا گیا اور فیصلہ کرنے کے لیے چار ماہ کی حد مقرر کی گئی[24]۔ اس قانون نے اگرچہ ہزاروں غیر رجسٹرڈ گرجاگھروں کو قانونی حیثیت دی، لیکن اب بھی بلدیاتی قوانین، جسے ماحولیاتی یا ٹریفک زوننگ کہا جاتا ہے، کے ذریعے اقلیتی معابد کی تعمیر کو روکا جاتا ہے۔ قانون کا یہ دوہرا معیار معاشرے میں عدم مساوات کا بیج بوتا ہے، جو کہ اسلامی عدل وقسط کے بنیادی فلسفے کے سراسر منافی ہے۔

متروکہ وقف املاک کے مسائل اور لینڈ مافیا

برصغیر پاک وہند کی تقسیم انسانی تاریخ کی سب سے بڑی اجتماعی نقل مکانی تھی۔ 1947ء کے اس ہنگامہ خیز دور میں ہجرت کرنے والے ہندو اور سکھ اپنے پیچھے ایسی بے شمار املاک چھوڑ گئے جو ان کے مذہبی معابد، گوردواروں اور فلاحی ٹرسٹوں کے لیے وقف تھیں۔ ان جائیدادوں کو قانونی طور پر "متروکہ وقف املاک" کا نام دیا گیا۔ ان مذہبی اثاثوں کے تحفظ کے لیے اپریل 1950ء میں پاکستان اور بھارت کے مابین تاریخی "لیاقت۔نہرو معاہدہ" طے پایا، جس میں دونوں ممالک نے اقلیتوں کی جان، مال اور ان کے مذہبی شعائر کی حفاظت کا عہد کیا[25]۔

پاکستان میں ان املاک کے باقاعدہ انتظام کے لیے 1975ء میں "متروکہ وقف املاک (انتظام وانصرام) ایکٹ" منظور کیا گیا اور ایک وفاقی ادارے 'متروکہ وقف املاک بورڈ' کا قیام عمل میں آیا۔ اس قانون میں صراحت کی گئی کہ ان وقف املاک کو ان کے اصل مذہبی اور فلاحی مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں نہیں لایا جائے گا[26]۔ ان واضح قانونی شقوں کے باوجود، گزشتہ دہائیوں میں ان قیمتی اراضی اور تاریخی عبادت گاہوں پر ایک منظم لینڈ مافیا نے پنجے گاڑ لیے ہیں۔

شہروں کے وسط میں واقع قیمتی مندروں اور دھرم شالاؤں کی زمینوں کو مقامی محکموں کے بدعنوان اہلکاروں کے ساتھ ساز باز کر کے رہائشی پلاٹوں یا کمرشل بازاروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ کراچی کے علاقے صدر میں واقع ہندو زائرین کے لیے مختص تاریخی دھرم شالا کا کیس اس کی ایک افسوسناک مثال ہے، جہاں متعلقہ اداروں نے جعلی دستاویزات تیار کر کے اس تاریخی عمارت کو ایک نجی بلڈر کے حوالے کرنے کی کوشش کی۔ عدالتِ عظمیٰ کی بروقت مداخلت سے اس قبضے کو روکا گیا[27]۔ اسی طرح ضلع چکوال کے مقدس "کٹاس راج مندر" کی جھیل کا پانی قریبی سیمنٹ فیکٹریوں کی صنعتی سرگرمیوں اور زیرِ زمین پانی کے بے دریغ استعمال سے خشک ہو گیا تھا، جسے سپریم کورٹ کے سخت احکامات کے بعد جزوی طور پر بحال کیا گیا۔

اسلامی قانونِ وقف میں اقلیتوں کی مذہبی املاک کا احترام اور ان کی شرائط کی پاسداری اسی طرح لازم ہے جس طرح مسلمانوں کی املاک کی۔ فقہ اسلامی کا یہ عالمگیر اور سنہری اصول ہے:

شَرْطُ الْوَاقِفِ كَنَصِّ الشَّارِعِ

"وقف کرنے والے کی شرط شارع (اللہ اور رسول) کے نص کی طرح واجب العمل ہے۔"[28]

اس شرعی اصول کا تقاضا ہے کہ جس ہندو یا سکھ نے اپنی زمین یا عمارت اپنے معبد کی دیکھ بھال یا زائرین کی سہولت کے لیے وقف کی تھی، ریاستی ادارے یا کوئی بااثر فرد اس کی حیثیت کو تجارتی مقاصد کے لیے تبدیل نہیں کر سکتا۔ متروکہ املاک پر ناجائز قبضے، جعلی لیز کے ذریعے ان کا کمرشل استعمال، اور دیوانی عدالتوں کے حکمِ امتناعی کے پیچھے چھپنے کا عمل اسلامی ریاست کے مقاصد اور اس کے نظامِ عدل کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے۔ ریاستی اداروں کو چاہیے کہ وہ اپنی آئینی رٹ قائم کرتے ہوئے ان تاریخی عبادت گاہوں اور ان کی اراضی کو لینڈ مافیا سے واگزار کرائیں، اور ان کا انتظام متعلقہ اقلیتی برادریوں کے بااعتماد نمائندوں پر مشتمل کمیٹیوں کے سپرد کریں۔

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق

اسلامی قانون محض سزاؤں اور جزیات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک گہری حکمت اور کائناتی توازن پر مبنی نظام ہے جسے علمِ اصولِ فقہ میں "مقاصدِ شریعت" کا نام دیا گیا ہے۔ جلیل القدر اصولی فقیہ امام ابو اسحاق الشاطبی نے شریعت کے ان بنیادی مقاصد کو پانچ ضروریات کے گرد محیط کیا ہے، جن میں دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت شامل ہے[29]۔ کلاسیکی ادوار میں ان مقاصد کی تشریح عموماً مسلمانوں کے حقوق کے دائرے میں کی جاتی تھی، لیکن دورِ جدید کی پیچیدہ ریاستی ساخت نے ان مقاصد کی آفاقیت کو نئے زاویوں سے سمجھنے کا راستہ ہموار کیا ہے۔

حفظِ دین شریعت کا اولین اور عظیم ترین مقصد ہے۔ عصرِ حاضر کے نامور مقاصدی اسکالر علامہ محمد الطاہر بن عاشور اس کی جدید تفہیم کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک کثیر المذہبی معاشرے میں حفظِ دین کا مفہوم محض اسلام کی حفاظت تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس میں ریاست کے تمام باشندوں کے لیے "آزادیِ عقیدہ" کا احترام بھی شامل ہو جاتا ہے[30]۔ قدرتِ خداوندی نے انسانی ضمیر کو جبر سے آزاد رکھا ہے اور اس اصول کو شریعت کا مستقل حصہ بنایا ہے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

"دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔"[31]

جب ریاست کسی غیر مسلم اقلیت کو اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آئینی ضمانت دیتی ہے، تو اس عقیدے کی عملی تجسیم ان کی عبادت گاہیں ہوتی ہیں۔ معابد کی مسماری یا ان کی تعمیر و مرمت میں بے جا رکاوٹیں کھڑی کرنا دراصل اس آزادی کو سلب کرنے کے مترادف ہے جو شریعت نے انہیں عطا کی ہے۔

انسانی جان اور مال کا تحفظ (حفظِ نفس اور حفظِ مال) مقاصدِ شریعت کے وہ ستون ہیں جن پر معاشرے کے امن کا انحصار ہے۔ ایک غیر مسلم شہری کی جان اور اس کی املاک کی حرمت پر اسلامی ریاست کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اقلیتوں کے حقوق کی پامالی پر جس غضب کا اظہار فرمایا، وہ رہتی دنیا تک کے لیے ایک کڑی تنبیہ ہے۔

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ

"جس نے کسی معاہد (جس سے امن کا معاہدہ ہو) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"[32]

عبادت گاہیں اقلیتوں کی اجتماعی ملکیت اور ان کے روحانی سکون کا محور ہوتی ہیں۔ جب کسی مندر، گرجا گھر یا گوردوارے کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، تو یہ محض اینٹ اور پتھر کا زیاں نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ایک پوری کمیونٹی کا نفسیاتی اور سماجی تحفظ منہدم ہو جاتا ہے۔ ملائیشین نژاد برطانوی محقق محمد ہاشم کمالی مقاصدِ شریعت کے اس آفاقی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The higher objectives of Islamic law, the Maqasid, are inherently universal, designed to protect human dignity, freedom, and justice for all members of society, regardless of their faith".

"اسلامی قانون کے اعلیٰ مقاصد فطری طور پر آفاقی ہیں، جنہیں معاشرے کے تمام افراد کے لیے، ان کے عقیدے سے قطع نظر، انسانی وقار، آزادی اور عدل کے تحفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔"[33]

تکریمِ انسانیت اور بین المذاہب ہم آہنگی

دورِ جدید کی ریاستوں کا استحکام اس بات میں مضمر ہے کہ وہ اپنے تمام بسنے والوں کو انسانیت کے ناطے کس حد تک عزت اور وقار فراہم کرتی ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ نے انسانیت کے اس بنیادی شرف کو عقیدے کے اختلاف سے بالاتر رکھا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ہر فرد قابلِ احترام ہے، اور یہ شرف منشائے الٰہی کا براہِ راست مظہر ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

"اور بلاشبہ ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں۔"[34]

علامہ اقبال نے اس قرآنی فلسفے کو اپنے کلام میں سموتے ہوئے تکریمِ انسانیت کو دین کا اصل جوہر قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت کا احترام ہی دراصل بندگی کی معراج ہے:

آدمیت احترامِ آدم است
باخبر شو از مقامِ آدم است[35]

اس تکریم کا عملی اظہار اس وقت ہوتا ہے جب معاشرہ دوسرے مذاہب کی مقدس علامتوں کا احترام کرنا سیکھتا ہے۔ اکثریتی مسلم معاشروں میں بعض اوقات جذباتیت کی رو میں بہہ کر اقلیتی معابد کو تنقید یا جارحیت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ شریعت نے اس طرزِ عمل کو سختی سے روکا ہے، کیونکہ دوسروں کے مقدسات کی توہین معاشرے میں منافرت اور ردعمل کے ایک نہ رکنے والے سلسلے کو جنم دیتی ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

"اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ورنہ وہ بھی جہالت کی بنا پر حد سے گزر کر اللہ کو گالیاں دیں گے۔"[36]

امام فخر الدین الرازی اس آیت کی تفسیر میں ایک اہم فقہی اصول بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی باطل چیز پر تنقید کرنے سے معاشرے میں فساد برپا ہونے یا حق کی توہین ہونے کا اندیشہ ہو، تو شریعت کا تقاضا ہے کہ ایسی تنقید سے رک جایا جائے[37]۔ اس اصول کو علمِ اصولِ فقہ میں "سدِ ذرائع" (برائی کے راستوں کو بند کرنا) کہا جاتا ہے۔ اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر حملہ کرنا دراصل اسی فساد کا دروازہ کھولتا ہے جس سے مسلم ریاست کا امن داؤ پر لگ جاتا ہے۔

معاشرتی ہم آہنگی اور باہمی رواداری کے لیے ضروری ہے کہ ریاست قانون کے نفاذ کے ساتھ ساتھ سماجی رویوں کی بھی اصلاح کرے۔ جب تک دلوں میں ایک دوسرے کے لیے گنجائش پیدا نہیں ہو گی، کاغذ پر لکھے ہوئے دساتیر اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے۔ خواجہ میر درد نے اسی وسعتِ قلبی اور دردمندی کو انسانیت کی معراج قرار دیا ہے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں[38]

اقلیتوں کے مذہبی مقامات کی تعمیر، تزئین و آرائش اور ان کے روزمرہ انتظامی معاملات کو جب ریاستی پالیسی کے تحت ہمدردانہ بنیادوں پر حل کیا جاتا ہے، تو اس سے غیر مسلم شہریوں میں بیگانگی کا احساس ختم ہوتا ہے۔ یہ اقدامات ریاست کو ایک ایسا مستحکم اور مربوط ڈھانچہ فراہم کرتے ہیں جہاں ہر طبقہ تعمیرِ وطن میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

نتائج بحث

زیرِ بحث موضوع پر قرآن و سنت، تاریخی معاہدات، کلاسیکی فقہی آراء اور معاصر دستوری حوالوں سے کی گئی اس تفصیلی تحقیق کے بعد، مقالے کے نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئے ہیں۔ اس جامع علمی و تجزیاتی مطالعے سے درج ذیل بنیادی نتائج اخذ کیے گئے ہیں:

- اسلامی شریعت غیر مسلم شہریوں کو ریاست کے اندر مساوی شہریت (مواطنہ) کا درجہ دیتی ہے اور ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ ریاست کا بنیادی آئینی اور مذہبی فریضہ ہے۔
- قرآن مجید، میثاقِ مدینہ اور معاہدہ نجران کی روشنی میں اقلیتوں کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانا، مسمار کرنا یا ان پر قبضہ کرنا شرعاً ناجائز اور صریح عہد شکنی ہے۔
- مقاصدِ شریعت کے اصولِ 'حفظِ دین' اور 'حفظِ نفس' کا تقاضا ہے کہ اقلیتوں کو ان کی مذہبی ضروریات کے مطابق نئے معابد کی تعمیر اور پرانی عمارتوں کی مرمت کی مکمل آزادی دی جائے۔
- جدید مسلم ریاستوں میں عبادت گاہوں کی تعمیر کی راہ میں حائل رکاوٹیں اسلامی تعلیمات کے بجائے فرسودہ بیوروکریٹک نظام، نوآبادیاتی قوانین اور سماجی تعصبات کا نتیجہ ہیں۔
- متروکہ وقف املاک پر لینڈ مافیا کے قبضے اور ریاستی اداروں کی غفلت اسلامی قانونِ وقف کی کھلی خلاف ورزی اور اقلیتوں کے حقوق کی پامالی ہے۔
- اقلیتی معابد پر انتہا پسندانہ حملے نہ صرف ملکی امن و امان کے خلاف کھلی بغاوت ہیں، بلکہ یہ بین الاقوامی سطح پر اسلام کے پرامن تشخص کو بھی شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔

سفارشات و تجاویز

تحقیقی نتائج کی روشنی میں غیر مسلم شہریوں کی عبادت گاہوں کے مسائل کے پائیدار حل اور بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لیے درج ذیل عملی سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- اقلیتی عبادت گاہوں کی تعمیر و مرمت کے لیے پیچیدہ این او سی کے عمل کو ختم کر کے مقامی بلدیاتی اداروں میں ایک شفاف اور تیز رفتار "ون ونڈو آپریشن" متعارف کروایا جائے۔
- متروکہ وقف املاک کے انتظام کو مکمل طور پر متعلقہ اقلیتی برادریوں کے نمائندوں کے سپرد کیا جائے اور ان املاک کی آمدنی صرف انہی کی عبادت گاہوں کی بحالی پر خرچ کی جائے۔
- ضلعی اور مقامی سطح پر مسلم علماء اور اقلیتی رہنماؤں پر مشتمل "بین المذاہب امن کمیٹیاں" قائم کی جائیں تاکہ تعمیر و مرمت کے کسی بھی تنازعے کو بروقت افہام و تفہیم سے حل کیا جا سکے۔
- اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر حملہ کرنے یا انہیں نقصان پہنچانے والے شرپسند عناصر کے خلاف انسدادِ دہشت گردی کے قوانین کے تحت فوری اور سخت ترین قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔
- ریاست کو چاہیے کہ وہ اپنے سالانہ بجٹ سے اقلیتی عبادت گاہوں کی فول پروف سیکیورٹی اور تاریخی معابد کی تزئین و آرائش کے لیے باقاعدہ فنڈز مختص کرے۔
- قومی تعلیمی نصاب میں میثاقِ مدینہ اور خلفائے راشدین کے معاہدات کو شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل کے اندر رواداری اور اقلیتوں کے حقوق کے احترام کا شعور بیدار ہو سکے۔
- اقلیتی عبادت گاہوں کی اراضی پر ہونے والے ناجائز قبضوں کو چھڑانے کے لیے اعلیٰ عدلیہ کے زیرِ نگرانی خصوصی ٹریبونل بنائے جائیں جو مقررہ مدت کے اندر مقدمات کے فیصلے کریں۔

حوالہ جات

[1] غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، دہلی: مطبع نظامی، 1863ء، صفحہ 54

[2] Arnold, Thomas W., The Preaching of Islam, London: Constable & Company, 1913, 57

[3] السرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، بیروت: دار المعرفۃ، 1993ء، جلد 10، صفحہ 78

[4] ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ: مصطفی البابی الحلبی، 1955ء، جلد 1، صفحہ 503

[5] القرضاوی، یوسف، غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی، قاہرہ: مکتبۃ وھبۃ، 1992ء، صفحہ 45

[6] الحج، 40:22

[7] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، قاہرہ: دار الکتب المصریۃ، 1964ء، جلد 12، صفحہ 70

[8] ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ: مصطفی البابی الحلبی، 1955ء، جلد 1، صفحہ 575

[9] ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، قاہرہ: المطبعۃ السلفیۃ، 1382ھ، صفحہ 72

[10] المتنبی، احمد بن الحسین، دیوان المتنبی، بیروت: دار صادر، 1998ء، صفحہ 345

[11] الاصبحی، مالک بن انس، الموطأ، بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1990ء، جلد 2، صفحہ 447، کتاب الجہاد، باب النہی عن قتل النساء والولدان، حدیث: 918

[12] الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، بیروت: دار التراث، 1387ھ، جلد 3، صفحہ 609

[13] ابن خلدون، عبد الرحمن، تاریخ ابن خلدون، بیروت: دار الفکر، 2000ء، جلد 2، صفحہ 108

[14] Armstrong, Karen, Jerusalem: One City, Three Faiths, New York: Alfred A. Knopf, 1996, 245

[15] قاسمی، احمد ندیم، دوام، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، 1979ء، صفحہ 45

[16] السرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، بیروت: دار المعرفۃ، 1993ء، جلد 10، صفحہ 81

[17] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 4، صفحہ 203

[18] اقبال، محمد، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1973ء، صفحہ 150

[19] القرضاوی، یوسف، فقہ الأقلیات المسلمۃ، قاہرہ: دار الشروق، 2001ء، صفحہ 45

[20] إعلان مراکش بشأن حقوق الأقلیات الدینیۃ في العالم الإسلامي، مراکش: مؤتمر حقوق الأقلیات الدینیۃ، 2016ء، صفحہ 4

[21] فیض، فیض احمد، زنداں نامہ، لاہور: مکتبہ کارواں، 1956ء، صفحہ 42

[22] حکومتِ پاکستان، آئینِ پاکستان 1973ء، اسلام آباد: وزارتِ قانون وانصاف، 2023ء، آرٹیکل: 20

[23] Fahmi, Georges, The Coptic Church and the Transition in Egypt, Washington: Carnegie Middle East Center, 2014, 5

[24] جمہوریہ مصر عربیہ، قانون بناء وترمیم الکنائس، قاہرہ: پبلک جنرل اتھارٹی، 2016ء، دفعہ: 2

[25] لیاقت۔نہرو معاہدہ، نئی دہلی، 8 اپریل 1950ء

[26] حکومتِ پاکستان، متروکہ وقف املاک ایکٹ، ایکٹ نمبر XIII، اسلام آباد: 1975ء، دفعہ 6

[27] سپریم کورٹ آف پاکستان، فیصلہ مقدمہ نمبر SMC No. 1 of 2014، سماعت بتاریخ 16 نومبر 2021ء

[28] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 4، صفحہ 341

[29] الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، قاہرہ: دار ابن عفان، 1997ء، جلد 2، صفحہ 17

[30] بن عاشور، محمد الطاہر، مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، تونس: دار سحنون، 2006ء، صفحہ 185

[31] البقرۃ، 256:2

[32] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 4، صفحہ 99، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، حدیث: 3166

[33] Kamali, Mohammad Hashim, Maqasid al-Shariah Made Simple, London: International Institute of Islamic Thought, 2008, 24

[34] الاسراء، 70:17

[35] اقبال، محمد، جاوید نامہ، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982ء، صفحہ 243

[36] الانعام، 108:6

[37] الرازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ، جلد 13، صفحہ 103

[38] درد، خواجہ میر، دیوانِ درد، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1964ء، صفحہ 45

IEER
Institute for Excellence in Education & Research